# سماجی زندگی میں مناسک حج کی اہمیت وافادیت

پروفیسر سید محمد سیادت نقوی

مذہب اسلام کے علاوہ دنیائے بشریت میں رائج جملہ ادیان ومذاہب ومکاتب فکر میں یا انسانی زندگی کے انفرادی پہلو کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے یا سماجی شعبہ حیات کو زیادہ اہمیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر بعض مذاہب حیات کو زیادہ اہمیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر بعض مذاہب کی پیروی کرنے والے اپنی انفرادی اصلاح اور دائمی فلاح وبہبود کو مقصد حیات قرار دیتے ہیں اور سماج میں زندگی بسر کرنے والے دیگر افراد کی طرف سے لاپرواہی اور بے اعتنائی اختیار کئے رہتے ہیں چنانچہ ان کے عبادتی اعمال وافعال میں انفرادیت کے غلبہ کی وجہ سے ہی انہیں مکتب رہبانیت کا پیرو کہا جاتا ہے اور دوسری طرف مکتب اشتراکیت میں سماجی افکار وعقائد کی فراوانی کی وجہ سے انسان کی ذات اور اس کی انفرادیت پوری طرح محو ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں انسانی سماج کا ڈھانچہ بکھر جاتا ہے۔ درحقیقت دنیائے بشریت میں صرف مذہب اسلام کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس نے انسان کو اس کی انفرادی اور سماجی زندگی دونوں کے لئے ذمہ دارقرار دیا ہے اور اس کے جملہ عبادتی واخلاقی اعمال میں دونوں پہلوؤں کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ مرد مسلمان نہ اپنی ذاتی ذمہ داری سے فرار اختیار کرسکتا ہے اور نہ اسے اس کی سماجی ذمہ داری سے سبکدوش قرار دیاجاسکتا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے مناسک حج میں ان پہلوؤں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ادارہ

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ انسان اساسی طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور ہر لحاظ سے پرسکون زندگی گزارنا چاہتا ہے جس کے لئے تمدن انسانی کا اصلاح پذیر ہونا ضروری ہے تاکہ انسانی اخلاق وعادات میں وہ شائستگی پیدا ہوجائے جو عام انسانیت کو پُرسکون زندگی گزارنے کی راہیں ہموار کرسکے۔

چنانچہ زندگی کے اس اہم مطالبے کے پیش نظر مختلف ادوار میں بکثرت مذاہب اور ازم آتے رہے ہیں جن میں بطور خاص اصلاح معاشرہ اور تمدن انسانی کی اصلاح وبہبود ہی کو موضوع بحث قرار دیا جاتا رہا ہے لیکن یہ تمام مذاہب چونکہ نوع انسانی کے خود ساختہ اصول پر قائم کئے گئے ہیں اور ان کا وجود مخصوص مقامی اور وقتی مطالبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل میں آیا ہے، اس لئے نہ انہیں عالمگیر حیثیت حاصل ہوسکی اور نہ یہ تغیر حالات کے سبب اپنے مقصد وجود کو پورا کرسکے یعنی یہ تمام مذاہب اور ازم اپنے محدود دائرہ فکر کے سبب انفرادی واجتماعی اصلاح کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہے۔ انہیں کے ساتھ کچھ ایسے مذاہب بھی دنیا میں جنم لیتے رہے ہیں جن میں تمدنی وسماجی اصلاح کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے انسانی فلاح وبہبود کو صرف شخصی وانفرادی اصلاح میں محدود ومتعین کیا جاتا رہا ہے بلکہ مذہبی قدروں کو

انسانی سماج سے لاتعلقی یعنی ترک دنیا ہی میں مضمر سمجھتے ہوئے تمدن ومعاشرے سے لاتعلقی کو مذہب کی اساس قرار دیدیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ تمام مذاہب اپنے مخصوص ومحدود ائرہ کے مطابق صرف اصلاح نفس ہی کو مقصد حیات تصور کرتے ہوئے انسان کو سماجی اور عملی دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔

بر خلاف اس کے اسلام ایک ایسا فطری مذہب ہے جس نے شخصی وانفرادی اصلاح کو سماجی واجتماعی اصلاح میں مضمر قرار دیا ہے اور لا رھبانیۃ فی الاسلام کہہ کر انسان کو تمدن زندگی کا خوگر بناتے ہوئے ایک مکمل مذہبی انسان ہونے کا شرف بخشا ہے۔

تمام ادیان عالم میں صرف اسلام نے دین فطرت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ نظام کائنات کے اس تغیر پذیر ماحول میں انسان کو زندگی کے نشیب وفراز کا مقابلہ کرنے اور کشمکش حیات کی پر پیچ وادیوں میں جہد للبقا کے ذریعے ایک کامیاب زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی صرف اسلام ہی نے سکھایا ہے۔

اسلام ہی دنیا کا ایک ایسا منفرد مذہب ہے جس نے انسان کو پرسکون اور کامیاب زندگی گزارنے کے لئے صرف عقیدہ پر مذہب کی اساس نہیں رکھی ہے اور اسے فکر وذہن کی لامتناہی وادیوں میں ادھر ادھر بھٹکنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا ہے۔ اسلام میں عقیدہ کے ساتھ عمل کو بھی مذہبی اساس میں شامل کیا گیا ہے، بلکہ عمل کو عقیدہ اور عقیدہ کو عمل کا نگراں ورہنما بنا کر دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم قرار دیا ہے تاکہ انسان کو نیرنگی حیات کی پر پیچ راہوں میں بلا خوف وتردد اپنی ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بہتر مواقع فراہم ہوسکیں۔ حقیقتاً اسلام ہی نے سماج کو مذہب اور مذہب کو سماجی زندگی میں ضم کرکے سماجی زندگی کو عروج وارتقاء سے ہمکنار کیا ہے۔

اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب میں کوئی ایسا قانون اور کوئی ایسا نظریہ نہیں ملتا ہے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس میں شخصی وانفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ سماجی واجتماعی اصلاح کو بھی انسانی تمدن ومعاشرے کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہو اور حیات انسانی کو باعمل بنانے کی ترغیب دی گئی ہو۔ اس کا سبب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ان مذاہب نے سماجی زندگی سے جو صرف عمل کے محور پر گردش کرتی ہے کبھی کوئی رابطہ نہیں رکھا ہے، لیکن اسلام کا دستور حیات ایسا جامع اور مستحکم دستور ہے جس میں مذہب کی اساس صرف عمل کو قرار دیا گیا ہے اور جس کے تمام احکام فقط اصلاح معاشرہ اور تمدنی ارتقاء وعروج ہی کے لئے وضع

کئے گئے ہیں۔ یہی ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس کے احکام کو قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہنا ہے جیسا کہ اس دستور کی آئینی اور آخری کتاب قرآن مجید میں رسول اکرمؐ سے مروجہ خود ساختہ مذاہب کے مطابق زبانی دعوے کرنے والوں کی چرب زبانی وزباں زوری کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اور صرف عمل کو قابل قبول قرار دیتے ہوئے واضح طور پر اس طرح فرمایا گیا ہے کہ

''اے رسول تم ان لوگوں سے جو اللہ کی محبت کا زبانی دعوی کرکے تمہیں مرعوب و متاثر کرنا چاہتے ہیں یہ کہدو کہ اللہ سے اپنی محبت کا ثبوت عمل کے ذریعے دو، یعنی میری پیروی کروتو اللہ تم سے خود ہی محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اس لئے کہ وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔''[۱]

اور کبھی عمومی انداز میں عملی زندگی اپنانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا کہ:

''بیشک تمہارے لئے تو رسول کے کردار میں بہترین نمونے موجود ہیں، لہٰذا رسول کے کردار ہی کو تم عملی طور پر اپنانے کی کوشش کرو۔''[۲]

اس کے علاوہ مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بھی زندگی کی اس اہم حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

''آگاہ ہو کہ تم وہ تو نہیں کرسکتے جو میں کرتا ہوں لیکن مقدور بھر میرا ساتھ تو دو یعنی اپنی جدوجہد کے ذریعے میری مدد کرنے کی کوشش تو کرو۔''[۳]

حقیقتاً اسلام عقائد میں استحکام پیدا کرنے کے لئے انسان کو عملی زندگی کا خوگر بنانا چاہتا ہے تاکہ عمل کے ذریعے انسانی عقیدے میں ایسی پختگی پیدا ہوجائے جو انسان کو شکوک وشبہات سے ماورا پرسکون زندگی سے ہمکنار کرنے والی ہو، چنانچہ اسلام کے تمام احکام میں، جن کا تعلق خواہ معاملات سے ہو یا عبادات سے، عمل ہی کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔

چونکہ اسلام ایک آسمانی والٰہی مذہب کے ساتھ ہی ساتھ ایک اہم سماجی مذہب بھی ہے لہٰذا اس کا نظریۂ عبادت بھی دیگر تمام مذاہب سے جداگانہ ہے اس لئے کہ ان تمام مذاہب میں مذہب اور سماج میں تفریق کی جاتی رہی ہے اور مذہب کو سماجی زندگی سے الگ کرکے چند عبادی اعمال میں مقید ومحدود کردیا گیا ہے لیکن اسلام نے اپنی شریعت کے مطابق حیات انسانی کو دو زمروں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک کو معاملات اور دوسرے زمرے کو عبادات سے موسوم کیا گیا ہے۔ معاملات کا تعلق انسان کی خالص

سماجی زندگی سے ہے اور عبادات میں عبد ومعبود کے درمیان جو عبدیت ومعبودیت کا رشتہ ہے خالصتاً اس کے اظہار واقرار سے ہے، تاہم شریعت اسلامی نے انسان کی معاملاتی زندگی کو جو خالص سماج سے تعلق رکھتی ہے صرف اصلاح سماج کے پیش نظر اس کے ہر لمحۂ حیات کو حیات آفریں کی طرف منسوب کرتے ہوئے پوری حیات انسانی کو مکمل عبادت قرار دیدیا ہے۔ البتہ ہر انسان کے لئے چونکہ فطرتاً یہ ضروری ہے کہ بحیثیت عبد اپنے معبود سے رشتۂ عبدیت قائم رکھے اور اس کے سامنے اپنی عبدیت کا اقرار کرتا رہے۔ علاوہ ازیں معاملاتی زندگی کی مزید اصلاح کے پیش نظر بھی یہ ناگزیر تھا کہ کچھ ایسے مخصوص افعال واعمال مختلف اوقات میں ہر انسان بجالاتا رہے جن کا تعلق سماجی زندگی سے نہ ہو کر عبد ومعبود ہی کے درمیان ہو۔ لہٰذا اسلام میں ایسے ہی افعال واعمال کو اوقات معینہ کے ساتھ بجالانا ہر انسان کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے جس کے ذریعے اسکی سماجی زندگی کے لئے بھی اصلاحی راہیں پوری طرح ہموار ہوجاتی ہیں، جس میں نماز کو اولیت حاصل ہے جس پر تمام اعمال انسانی کی صحت کا دارومدار ہے اور جس کی قبولیت پر تمام اعمال کی قبولیت منحصر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نماز کا بڑا حصہ قرائت پر منحصر ہے یعنی حمد وتسبیح نیز دیگر اذکار کا تعلق بھی قرائت ہی سے ہے۔ لیکن نماز میں قرائت کو بھی بغیر عمل مکمل قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اسلام چونکہ خالص عملی مذہب ہے اسی لئے قرآن مجید میں نماز کے لئے قیام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، قرائت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے یعنی نماز کے لئے قرائت جو بغیر قیام وقعود اور بغیر رکوع وسجود ہوگی اسے کسی طرح نماز نہیں کہا جاسکتا ہے۔

نماز کے بعد روزہ ہے جسے عبادات کی فہرست میں ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ روزہ دار کو عملاً بھوکا پیاسا رہتے ہوئے اپنے تمام اعضاء کو ہر خطاء غلطی سے محفوظ رکھنا ہے۔

نماز اور روزہ کی طرح خداوند عالم نے حج کو بھی ہر مستطیع پر زندگی میں ایک مرتبہ واجب قرار دیا ہے۔ یہ بھی ایک ایسا عبادی حکم ہے جس کی صحت کا انحصار ہی صرف اعمال کی بجا آوری پر ہے۔ حقیقتاً حج ہی ایک ایسی عظیم عبادت ہے جسے انسان کی سماجی زندگی کا نقطۂ عروج کہا جاسکتا ہے۔ واقعاً سچ کہا گیا ہے:

''نماز جس مقصد عبادت کا نقطہ آغاز ہے حج کو اسی مقصد عبادت کا نقطۂ کمال کہنا چاہئے۔'' [۴]

اگر عبادات کی روشنی میں اسلامی اقدار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ان عظیم اقدار کے صحیح مظاہرہ کے لئے حج بیت اللہ سے بہتر دوسرا کوئی موقع نہیں ہوسکتا ہے۔

تاریخی شواہد کے مطابق حج کا آغاز عہد ابراہیمی میں اس وقت سے ملتا ہے کہ جب جناب ابراہیمؑ حکم خداوندی کے مطابق ایک ماں جناب ہاجرہ اور ایک شیر خوار جناب اسماعیلؑ کو بے آب وگیاہ لق و دق صحرا میں، جسے بعد میں مکہ مبارک کے نام سے موسوم کیا گیا، مالک حقیقی کے سپرد کرکے فلسطین واپس ہوئے تھے، ماں اور بیٹے کے سوا جہاں کوئی اور نہ تھا۔ ایسی بھیانک تنہائی اور کسمپرسی کے عالم میں پیاسے بچے کی پیاس بجھا کر ایک معصوم زندگی کو موت سے محفوظ رکھنے کے لئے جس طلب صادق اور جذبۂ خالص کے سہارے جناب ہاجرہ جیسی عظیم ماں اور جناب اسماعیل جیسے شیر خوار ومعصوم بچے سے جو اعمال سرزد ہوئے انہیں اعمال کو حج کی اساس قرار دیکر قیامت تک کی دنیائے انسانیت کو زندگی کے مختلف پیچیدہ مراحل میں حصول مقصد کے لئے یقین محکم کے ساتھ جدوجہد اور سعی مسلسل کی ترغیب دی گئی ہے۔ جناب ہاجرہؑ وجناب اسماعیلؑ کی اس کامیابی امتحان پر خداوندعالم کی طرف سے جناب ابراہیمؑ کو برائے یادگار یہ حکم صادر ہوا کہ اے ابراہیمؑ تم لوگوں کو حج کی دعوت دوتاکہ اطراف عالم سے اپنے مفادات کے مشاہدے کے لے اس عظیم سرزمین پر لوگ آتے رہیں۔ کعبۃ اللہ کا وہی سلسلہ حج جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عہد سے شروع ہوا اور حضرت ختمی مرتبت جناب محمد مصطفیٰؐ کے زمانے میں جسے التزامی صورت حاصل ہوئی اور جو آخری محمد امام مہدیؑ علیہ السلام کے زمانے تک جاری رہے گا، ایسا مرکز توحید ہے جس سے دنیائے انسانیت ہمیشہ وحدت کا سبق حاصل کرتی رہے گی۔

حج کی حقیقی مقصدیت سمجھنے کے سلسلے میں جب ارکان واجزائے حج کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتاہے کہ خداوند عالم نے اس عبادت مخصوصہ کی اساس خالص عمل پر رکھی ہے، اس لئے کہ سوائے نماز پنجگانہ کے جو ہر حال میں واجب ہے اور نماز طواف کے اس میں دیگر عبادات کی طرح ذکر آیات وادعیہ کو فرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ تمام ارکان کو ہر قسم کے مکروفریب، تصنع وریاکاری اور تکبر وغرور سے پاک پرامن وپرسکون ماحول میں عاجزی وانکساری کے ساتھ عملاً بجالانے کا حکم دیا گیا ہے یعنی میقات سے بال ترشوانے اور قربانی کی منزل تک اس طرح احرام میں رہنا ہے جس میں کسی رعونت ونخوت کا شائبا نہ پایا جاسکے اور عاجزی وانکساری کے ساتھ بارگاہ احدیت میں پرخلوص تعمیل حکم کا مظاہرہ ہوتا رہے۔ پھر تلبیہ یعنی دعوت حق پر اس جذبۂ صادق کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے مکہ میں داخل ہونا کہ تو نے ہمیں اس شہر مبارک میں حاضری کا شرف عطا کیا جسے ابراہیمؑ واسماعیلؑ جیسے سچے مسلمان اور تیرے برگزیدہ بندوں نے آباد کیا

ہے۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کو مبدائے توحید اور مرکز عالم انسانیت تسلیم کرتے ہوئے اسکا طواف کرنا۔طواف سے فراغت پانے کے بعد طواف خانۂ کعبہ سے سرفراز ہونے کے سلسلے میں دورکعت نماز بطور ہدیۂ تشکر بارگاہ احدیت میں ادا کرنا پھر سعی کرنا یعنی جناب ہاجرہؑ نے ایک بے آب وگیاہ صحرائے لق ودق میں اپنے مقصد نیک کے حاصل کرنے کے لئے جو سعی مسلسل اور بے پناہ جدوجہد فرمائی تھی حیات انسانی میں اس کی اہمیت وعظمت کا احساس کرتے ہوئے صفاومروہ کے درمیان دوڑ کر اس امتحان کی یاد تازہ رکھنا تاکہ دنیائے انسانیت میں طلب صادق کے ساتھ حصول مقصد کے لئے ہر قسم کی سعی اور جدوجہد کرنے کا جذبہ بیدار رہے۔ اس کے بعد امتحان ابراہیم واسماعیل کی اہمیت وعظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی جذبۂ خلوص کے ساتھ جو ابراہیم واسماعیل کے قلوب میں موجزن تھا، رمی جمرات کرنا تاکہ سماجی زندگی کے نشیب وفراز میں بھی تمام شیاطین وقت سے وہی جذبۂ نفرت اور وہی اظہار برائت کا رفرما رہے جس کا آغاز میدان منی سے ہوا تھا۔ اسی طرح میدان عرفات ،منی ومزدلفہ میں قیام اور قربانی کرتے وقت ہرمنزل پر ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے امتحان وآزمائش اور اسی جذبۂ خلوص کے ساتھ عظمت قربانی کی یاد تازہ ہوتی رہے جس کی شعاؤں نے میدان منیٰ کو منور کیا تھا تاکہ زندگی کی آزمائشوں میں ہر انسان کے اندر اسی ثبات قدم کی ساتھ قربانی دینے کا جذبہ بیدار رہے۔آخر میں سر کے بال ترشواکر تمام مراحل حج سے فراغت پانے کے سلسلے میں مالک حقیقی کی بارگاہ میں طواف دوگانہ ادا کرنا۔

ارکان حج کے سلسلے میں بظاہر ایک سطحی نظر رکھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حج شریعت اسلام کی ایک ایسی عبادت ہے جو رہبانیت اور ترک دنیا کی تعلیم دیتی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حج ہی شریعت اسلامی کی ایک ایسی اہم عبادت ہے جو انسان کے ذہنی ارتقاء کی ضامن ہوتے ہوئے اسلامی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہے۔

حقیقتاً خداوند عالم نے حج کے ذریعے انسان کو زندگی کی سنگلاخ وادیوں میں ریاض مسلسل اور پیہم جدوجہد کا عادی بناکر زندگی کے گوناگوں مسائل کا مقابلۂ کرتے ہوئے جہد للبقا کا سلیقہ سکھایا ہے۔

اس کے علاوہ اگر حج کو اس کی اجتماعیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حج ایک ایسے عظیم ترین اجتماع کا نام ہے جس میں مختلف خطوں ،مختلف نظریات ومسالک اور مختلف رنگ ونسل کے لوگ ایام مخصوصہ میں مرکز توحید کعبۃ اللہ کے اردگرد جمع ہوکر اپنی توحید پرستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی ایک ایسا مرکز توحید ہے جہاں کلمۂ توحید کی صدائیں اس طرح بلند ہوئی ہیں جن کی صدائے بازگشت دنیا کے

گوشے گوشے میں قیامت تک سنی جاتی رہے گی۔ اسی مرکز توحید سے دنیائے انسانیت قیامت تک اتحاد واتفاق کا درس حاصل کرتی رہے گی، یہی اجتماع توحید پرستوں کے لئے ایک ایسامامن ہے جہاں توحید کے متوالوں کو ہر زمانے میں سکون واطمینان کے ساتھ اپنے جذبۂ اتحادکوفروغ دینے کے مواقع فراہم ہوتے رہیں گے، یہیں سے انسانی اذہان میں وحدت فکر وعمل کا جذبہ پرورش پاتا رہے گا۔

فطرت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر انسان کسی دوسرے انسان میں جو خوبیاں پائے، ان خوبیوں کو اپنی برائیاں ترک کرکے ان کی جگہ اپنانے کی کوشش کرے۔ یہ بات بہرطورایک مسلمہ حیثیت رکھتی ہے کہ ہر جگہ کاتمدن ومعاشرہ وتہذیبی اقدار علیحدہ ہواکرتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی جگہ ایک خاندان کا ماحول دوسرے خاندان کے ماحول سے جداگانہ ہوتا ہے تو بہرطور پر ایک شہر کا دوسرے شہر سے اور اسی طرح ایک ملک کے تمدن ومعاشرے وتہذیبی اقدار اور کسی دوسرے ملک کے سماجی وتہذیبی اقدار میں فرق ہونا لازمی ہے۔ ایک ہی شہر کا جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ملاقات کرتا ہے تو ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے ویہیں سے تہذیبی وتمدنی حالات کی معلومات کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلۂ ملاقات جب آگے بڑھتا ہے اور ایک شہر کا رہنے والا کسی دوسرے شہر کے رہنے والے سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے حالات وواقعات سنکر اپنے علم میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان دوسرے شہروں کی تہذیب وتمدن سے واقفیت حاصل کرکے اپنی تہذیبی وتمدنی خرابیوں کو ترک کرتا ہے اور دوسرے شہر والوں کی خوبیوں کو ان خرابیوں کی جگہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آس پاس کے شہروں کی تہذیب اور تمدن ومعاشرے میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن ایک ملک کی تہذیب دوسرے ملک کی تہذیب سے بہت زیادہ مختلف ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ملک کا انسان دوسرے ملک کی تہذیب وتمدن اور سماجی حالات وواقعات سنکر یقیناً اپنی معلومات میں کافی اضافہ کرسکتا ہے اور اپنی سماجی کمزوریوں کو دوسرے ملک کی اچھائیوں سے بدل بھی سکتا ہے۔ اس لئے کہ آج کا دور ریڈیو، ٹی وی اور کمپیوٹر کا دور ہے جس میں ہرقسم کی سہولت بہ آسانی میسر ہے، لیکن اس طرح صرف سنکر اچھائیاں اپنانے اور کمزوریاں دور کرنے میں وہ لگن اور جذبے کی وہ شدت پیدانہیں ہوسکتی ہے جو بالمشافہ ملاقات سے ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے وہ فائدہ بھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے جو عملاً حاصل ہونا چاہئے۔

دنیا کے سب انسان بحیثیت اولاد آدم ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اور پوری نوع انسانی ایک ہی خاندان ہے، لہٰذا سماجی وتہذیبی ضرورت ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو خاندانی اعتبار سے باہم

ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک حال ہونا چاہئے۔ ایک دوسرے کا باہمی تعاون اور دستگیری کے ذریعہ ہاتھ بٹانا چاہئے۔ اگر آج انسان کی ذہنی پستی اور تنگ نظری کے سبب یہ ماحول صالح ماحول کہلانے کا مستحق نہیں ہے تو یقیناً آنے والے دور میں جب ارتقائے ذہن بشری پوری طرح ہوجائے گا تو ایک دن ضرور ایسا آنا ہے کہ تمام دنیا کے انسان ایک خاندان کے افراد بنکر باہمی تعاون اور اتحاد واتفاق کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔

اسلام نے اسی آنے والے وقت کوملحوظ رکھتے ہوئے دنیائے انسانیت کے لئے حج کو واجب قرار دیا ہے تاکہ ایک سال میں چند دنوں کے لئے تمام دنیا کے انسان ایک ایسے مرکزی مقام پر جسے اس نے تمام دنیائے انسانیت کے لئے مرکزی حیثیت سے نوازا ہے، جمع ہوتے رہیں اور ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے رہیں، بالمشافہ گفتگو کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہوں، ایک دوسرے کے ہمدرد بنیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں وہ جذبۂ اخوت اور خواہش اتحاد ویگانگت پیدا ہوجائے جس کے ذریعے دنیائے انسانیت ایک خاندان کے افراد کی صورت اختیار کرسکے۔

آج دنیا مساوات کی ٹھکیدار بنکر انسانی برابری کا نعرہ بڑے جوش وولولہ کے ساتھ بلند کررہی ہے اور مساوات کے نام پر جانیں تک قربان کررہی ہے ۔یہ اسلام ہے کہ جس نے اپنے ہر حکم کے ذریعے مساوات ہی کا درس دیا ہے۔ اس نے بشرط استطاعت حج واجب کرکے اس طرح مساوات کی تعلیم دی ہے اور اس عنوان سے برابری کا سبق سکھایا ہے کہ فقیر وبادشاہ کو ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کردیا ہے یعنی حج میں سب کے لئے احکام بھی ایک نافذ کیے گئے ہیں، سب کے لئے لباس بھی ایک معین کیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی بادشاہ حج کے لئے جائے تو اپناوہی لباس زیب تن کیے رہے جو ایک بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے بلکہ اسلام نے بلاتفریق وامتیاز ایک ہی جامۂ احرام سب کے لئے مقررکیا ہے تاکہ غریب وامیر اور فقیر وبادشاہ اس مرکز توحید اور عظیم اجتماع انسانیت میں پہونچیں تو ان میں کسی قسم کا کوئی فرق وامتیاز باقی نہ رہے۔ اسی مساوات اوراتحاد واتفاق سے متاثر ہوکر علامہ اقبالؔ نے فرمایا تھا۔

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے[۵]

بحمد للہ ہر خطے اور ہر ملک سے حجاج کی تعداد میں سالانہ اضافہ ہورہا ہے اور یہ اضافہ اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ تمام ممالک بین الاقوامی آئین کے مطابق سب کی خواہشات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن یہ بات بھی انتہائی افسوسناک ہے کہ جو حاجی حج کے موقع پر اس مرکز توحید پر جمع ہوتے ہیں ان

کی غالب اکثریت حج کی حقیقی مقصدیت سے محض نا آشنا و نا واقف رہتی ہے، اسی لئے وہ افادیت جو مناسک حج سے ہونی چاہئے تھی تاہنوز حاصل نہیں ہو پائی ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیائے انسانیت تشتت وانتشار کی شکار ہے۔

حقیقتاً حج کے ذریعے ہر حاجی کے اندر گرمی وحرکت پیداہونی چاہئے جو ہر حیثیت سے انقلاب آفریں ہو،حق کی ہمنوائی اور باطل سے عملاً اظہار بیزاری ہو، ہر دل میں انسان دوستی اور بھائی چارگی کا جذبہ فروغ پذیر ہو، ہر شخص میں خلوص قلب کے ساتھ خدمت خلق کا جذبہ کارفرما ہوجائے، خودداری کے ساتھ عاجزی وانکساری شعار بن جائے، رعونت ،تکبر وغرور جیسی تمام برائیاں جو مفسد اخلاق ہیں۔ ذہنوں سے نابود ہوجائیں۔لیکن عام طور پر ان تمام باتوں کا فقدان ہے۔آج یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جس قدر اس زمانے میں حجاج کرام کی تعدادمیں اضافہ ہورہا ہے اسی تناسب سے دنیائے انسانیت مخرب اخلاق اور سماج ومعاشرے میں فساد پیداکرنے والی حرکات اور بداعمالیوں کو اپناتی جارہی ہے۔لہٰذا جس حج میں حقائق حج کا فقدان ہو اسے کس طرح حج کہا جاسکتا ہے؟ بقول آیت اللہ خمینی رضوان اللہ علیہ:

> ''وہ حج جس میں روح حج یعنی تحرک وقیام نہ ہو جس میں مشرکوں سے بیزاری کا اظہار نہ کیا جائے، جس میں اتحاد کا مظاہرہ نہ ہو اور وہ حج جس سے کفر وشرک کے ایوانوں میں لرزہ طاری نہ ہو، اسے حج نہیں کہا جاسکتا'' [۶]

**حواشی:**

۱۔سورۂ آل عمران آیت ۱۳۱

۲۔سورۂ احزاب آیت ۲۱

۳۔خطبات نہج البلاغہ

۴۔اسلام میں امر بالمعروف اورنہیں عن المنکر کی اہمیت، ماہانہ برہان، دہلی

۵۔بانگ درا، علامہ اقبالؔ

۶۔اجتماعی اور سیاسی عبادت حج (آیت اللہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ)